© rasailojaraid.com

بیسویں صدی میں اسلام

محمد منیر حسن معصومی

بیسویں صدی کے ذہنی ارتقاء اور سائنسی ایجادات سے متاثر ہو کر ہر جدید طرز کا عالم یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ ضروریات زندگی کے ساتھ ساتھ اعتقادی نظریوں اور مذہبی یا الہامی کتابوں کی تعلیمات کو بیسویں صدی کے محاورات اور اصطلاحات کے مطابق بیان کیا جائے۔ بظاہر یہ ادعا نہایت معقول اور مستحسن ہے مگر قابل غور امر یہ ہے کہ ہمارے الفاظ و محاورات میں جو تبدیلی واقع ہوئی ہے اس کا تعلق اصول و مصادر سے کہاں تک ہے؟ تبدیلی بمعنی اضافہ تو قابل قبول اور واضح ہے مگر مصادر و افعال کی تبدیلی کسی طرح قابل قبول نہیں لغوی معانی کا استعمال مترادفات و ہم معنی الفاظ میں اختلاف کو ظاہر کرتا ہے مگر بالکلیہ اختلاف یا اس قدر اختلاف سمجھنا کہ معنی بدل جائیں بالکل بے معنی ہے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ انفرادی طور پر ہر فرد اپنے عقیدے کا اظہار کرتا ہے۔ اور اپنے طور پر اپنی بساط بھر تعلیمات اسلامی کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے جس کو جتنا علم ہوتا ہے اسی قدر وہ مذہبی تعلیمات کو سمجھنے پر قادر ہوتا ہے اس مذہبی تدبر و فہم کے لئے تربیت بے حد ضروری ہے یہی وجہ ہے کہ تعلیم کے ساتھ تربیت کو ناگزیر سمجھا جاتا ہے تعلیم سے جو سوتے پھوٹتے نشوونما پاتے اور ابھرتے ہیں تربیت ان کی آبیاری کرتی ہے اور وہ واضح سے واضح تر ہوتے جاتے ہیں تربیت کے فقدان سے تعلیم کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اثرات صرف زائل ہی نہیں ہوتے بلکہ شر و فساد کے موجب بنتے ہیں جن کو ضلال و گمراہی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ابتدائے آفرینش سے انسان ترقی کا شیدا رہا ہے اور ہمیشہ ترقی سے ہمکنار ہوتا آیا ہے۔ علمی فنی اور صنعتی ترقی کے ساتھ ساتھ مذہبی عقائد میں بھی ترقی کے شاہراہ پر ہمیشہ گامزن رہا غرض ارتقاء و ترقی نیز ترقی پسندی انسان کی فطرت میں داخل ہے۔ مگر اس ترقی کا مفہوم کمال تک پہنچنا ہے ہر دور میں انسانیت کا وجود لابدی ہے اور ضروری ترقی کا مطلب دائرۂ انسانیت سے خروج کس طرح سمجھا نہیں جاتا انسان ہزار ترقی کر جائے فرشتہ نہیں کہلا سکتا، البتہ "انسان کامل" بن سکتا ہے کہ یہی لقب اس کو زیب دیتا ہے۔

آج سے تقریباً چودہ سو برس پیشتر اسلام نے اولین بار الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا"

آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو کمال تک پہنچایا تم پر اپنی نعمتیں پوری پوری اتاریں اور تمہارے لئے اسلام کو بطور دین پسند کیا۔ کا اعلان کیا۔ ہر زمانے اور ہر قوم میں اللہ تعالیٰ نے راہنما اور پیغمبر پیدا کیا وحی بھیجی اور لوگوں کی ہدایت کو رسول بھیجے۔ پیغمبروں کا یہ سلسلہ لامتناہی نہیں ہو سکتا تھا اس زوال پذیر دنیا میں رشد و ہدایت کے سلسلہ کو بھی کسی حد پر اختتام کو پہنچنا تھا۔ وحی و رسالت کی تکمیل پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ساتھ کی گئی، آپ کو خاتم النبیین کہا گیا اور خداوندی تعلیمات کو قرآن پاک کے ذریعہ میں عالمگیر تعلیمات بنایا گیا۔ ان تعلیمات کے عملی ہونے کا ثبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک میں بہم پہنچایا گیا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے قرآن پاک کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال و اقوال کو اپنے کردار و گفتار میں محفوظ کر لیا۔ اس طرح آج کوئی معقول طور پر یہ نہیں کہہ سکتا کہ صلوٰۃ کی صورتیں واضح نہیں طہارت کا بیان مکمل نہیں "زکوٰۃ" کا مفہوم مبہم ہے، روزہ کی صورت ناممکن العمل ہے حج کے طریقے غیر واضح ہیں۔ قرآنی احکام، اوامر و نواہی تو مبہم طلب ہیں و کسی کی یہ بات معقول سمجھی جاسکتی ہے کہ اس صنعت و حرفت کے دور میں نماز کے پانچ اوقات ناممکن العمل ہیں اور نماز کے خصوصی صفتیں فرسودہ ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

روزے کی فرضیت کی ضرورت نہیں زکوۃ کے مدیں، نصاب ہیں نیز ان کی ادائیگی میں تبدیلی کی ضرورت ہے۔ اس طرح عورتوں کے لئے ستر عورت کی حاجت نہیں، مردوں کا لباس کافی ہے۔ نکاح ووراثت حدود وقصاص محض مذہبی فرسودہ الفاظ ہیں۔ کیونکہ ایسے اجتہادی فیصلوں کے صادر کرنے سے پہلے لفظ "اسلام" کو خیرباد کہنا واجب و فرض عین ہوگا۔

ترقی پسند مفکرین کا دعویٰ یہ بھی ہے کہ آج قدریں بدل گئی ہیں نئی ایجادات نے یہ حشر برپا کردیا ہے کہ تخلیق عالم کے لئے کسی خالق کی ضرورت نہیں اور نہ خیر و شر کی حقیقت کچھ باقی رہی ہے۔ کیونکہ ساری چیزیں یا خودرو ہیں یا انسان کے مساعی کے نتیجہ۔ خودرو اشیاء قدرتی طور پر عناصر کی زیادتی کمی اور مختلف امتزاج واختلاط سے وجود میں آتی ہیں اور پھر نیا روپ دھارلیتی ہیں۔

اس طرح دنیائے حوادث وافکار میں انسان کی تسخیری قوتیں محدود نہیں البتہ اتفاقی حادثات ان کے تسخیری منصوبوں پر ضرور پانی پھیر دیتے ہیں اور ان کو ان حادثات کو اتفاق کہہ کر سکون کے سوا کوئی چارہ نہیں ملتا۔ اس طرح قدروں کی تبدیلی کا دعویٰ بھی مضحکہ خیز ہے کذب کی مذمت آج بھی کی جاتی ہے، صداقت کو آج بھی سراہا جاتا ہے یہ تبدیلی ضرور واقع ہوئی ہے کہ بیسویں صدی کا مفکر کذب کو مصلحت اور چاپلوسی نیز چالاکی جیسے الفاظ سے تعبیر کرنا چاہتا ہے مگر یہ تعبیر تار عنکبوت سے بھی زیادہ بے حقیقت ہے۔ یہ ضرور ہے کہ افلاطون وارسطو کے افکار اب دقیانوسی ہو کر رہ گئے ہیں، تحقیقات اپنا قدم آگے بڑھائے جارہی ہے مگر اصول موضوعہ وہی ہیں جو پہلے تھے۔ بنیادی کالبد اور انسانی افکار کے ڈھانچے اب بھی وہی ہیں۔ جو پہلے تھے البتہ رنگ وروغن اور گوشت و پوست کی فراوانی سے ڈیل ڈول میں نمایاں فرق ظاہر ہے، مگر یہ فرق طبعی فرق نہیں اور نہ وضعی فرق ہے یہ صرف عارضی اور انفرادی فرق ہے جس کا انکار جہل وعبث ہے۔

غرض مخلوق کی عبارت وتفکیر میں ہر آن تبدیلی ہوتی رہتی ہے اور ارتقاء لمحہ بہ لمحہ نمایاں ہے، لیکن الہامی اور ربانی عبارت والفاظ کی عالمگیریت کا تقاضا ہے کہ وہ ہر زمانے اور ہر قوم پر یکساں صادق آئے۔ اس اطلاق یا محل و مصدق میں افراد واقوام نیز زمان و مکان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی ہم آہنگی ممکن ہے لیکن نفس الہامی عبارت اور ربانی نص کے معنی و مفہوم میں فرق نہیں ہو سکتا کہ ایسا فرق الہامیت وحی اور ربانیت کے منافی ہے۔ باب اجتہاد کے کھلا ہونے کا مفہوم ہرگز یہ نہیں ہے کہ متن کی عبارت دلالت اقتضاء واشارے کے مفہوم میں تغیر و تبدل کیا جائے، الفاظ و عبارت کے نئے معنی بتائے جائیں جن کا استعمال لغت سے ثابت نہ ہو، جن کا وجود اصطلاح میں نہ ہو کسی زبان میں نیز کسی زمانے میں کوئی لفظ غیر اصطلاحی معنے میں استعمال نہیں کیا جاتا، اگر استعمال کیا جائے تو اہل زبان اس استعمال کو مردود قرار دیتے ہیں۔ ہاں! جس مفہوم کے لئے کوئی لفظ موجود نہ ہو تو اس کی ادائیگی کے لئے نئے الفاظ کے استعمال کرنے کی گنجائش ہے اور اس طرح کی ادائیگی کو اجتہاد کا نتیجہ کہتے ہیں۔ اس قسم کا اجتہاد ہر زمانے میں ہر قوم میں رائج اور پسندیدہ رہا ہے

آج مستشرقین موجودہ حالات کے پیش نظر جب کہ ہماری ترقی ہماری زیست، ہماری بقاء اور ہماری خوراک نیز ہماری تعلیم غیروں کی امداد کے دست نگر ہے ہمارے عقیدے اور دین کو بھی غیروں کا دست نگر بنانا چاہتے ہیں۔ مسلمانوں کو اس زبوں حالی میں جس کی وجہ سے ان کی تعداد کی کثرت کے انداز پھر تعلیمات اسلام سے بیگانگی ہے اسلام کو ہدف ملامت قرار دیتے ہیں اور مسلمانوں کے سیاسی اور ثقافتی زوال کا باعث اسلام اور اسلام کی تعلیمات کو بتاتے ہیں۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ مسلمان چونکہ تیرہ سو برس کی پرانی تعلیمات کو اپنے سے چمٹائے رہے اس لئے ان کا زوال ہوا۔ آج ان کا مذہب ان کے لئے باعث وبال ہے مستشرقین کی یہ بات ان کے تجربے اور ان کے اپنے حالات کے تحت ایک حد تک صحیح بھی جا سکتی ہے، کیونکہ سارا یورپ اور اس طرح باشندگان امریکہ جب تک اپنے دقیانوسی اور یورپ کے مذہبی عقائد کے پابند رہے ناموران اسلام کے آگے ذلیل و خوار رہے جوں جوں مسلمانوں کے افکار و تعلیمات سے روشناس ہوئے عیسوی اور یہودی تعلیمات اور کلیساؤں کی آمریت کے خلاف آواز بلند کرتے رہے، اور اسلامی مساوات و اخوت کو اشتراکیت سے موسوم کیا۔ اجتماعی تعاون اور امانت و دیانت کو اپنا کر یورپ میں علم و عمل کا غلغلہ اعداء اسلام نے بلند کیا۔ اور جب اپنے اشتراک عمل تعاون و ہمدردی سے سارے عالم پر چھا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گئے تو خود اپنے استادوں کو یہ درس دینے لگے کہ عیسائی تعلیمات کو چھوڑ کر ہم ترقی کے بام پر پہنچے، نیز دین عیسوی کے نصوص اور انجیل کی عبارتوں کی توجیہ ترقی پسندی کی روشنی میں کرنے کی وجہ سے ہم فخر عالم بنے، مسلمانو! آؤ تم بھی اپنے دین کی نئی تعبیر کرو، قرآن کو بیسویں صدی کے رنگ و روپ میں سمجھنے کی کوشش کرو تاکہ ترقی سے ہم کنار بنو! اس کے برعکس مسلمانوں کی تاریخ یہ واضح کردیتی ہے کہ جب تک مسلمان تعلیمات اسلام پر عمل پیرا رہے دنیا کے راہنما بنے رہے اور جب سے ان تعلیمات سے بیگانہ بنے ہر طرح کی گندگی میں مبتلا ہوئے، قومیت اور عصبیت کے گرفتار ہوئے، سنی اور شیعہ اور طرح طرح کے فرقوں میں بٹ گئے عالم اسلام کی افراتفری دیکھ کر اقبال مرحوم کو کہنا پڑا۔

ہوس نے کر دیا ہے ٹکڑے ٹکڑے نوع انساں کو
اخوت کا بیاں ہو جا محبت کی زباں ہو جا
یہ ہندی وہ خراسانی یہ افغانی وہ تورانی
تو اے شرمندۂ ساحل اچھل کر بیکراں ہو جا
غبار آلودہ رنگ و نسب ہیں بال و پر تیرے
تو اے مرغ حرم اڑنے سے پہلے پرفشاں ہو جا

بیسویں صدی جہاں علمی ترقی سائنس ایجادات کے لئے شہرت رکھتی ہے۔ رہتی دنیا تک نقالی کو فنکاری بنانے کے لئے بھی مشہور رہے گی جب حکما و عقلا حقیقت کی دریافت اور اصل عناصر کے ادراک پر نازاں ہوتے ہیں تو بیسویں صدی کے ترقی پسند نقالی کو اپنا طرۂ امتیاز اور عیاری و عربدہ سازی کو فن کا کمال سمجھتے ہیں غرض ریا ان کا حاصل زندگی ہے اور خود آرائی اصل مقصد۔

(مسلسل)

© rasailojaraid.com